ناگاہ تیر ادھر سے چلے جانبِ امام ۹۶ گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجّت بھی کی تمام
نکلے اِدھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام بے سر ہوئے پروں میں سران سپاہ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
ایک اک کی جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہِ دیں ۹۷ نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ (خ) کی صفوں پہ چلے شیرِ خشم گیں کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار ۹۸ دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا، کسی نے جو روکا سپر پہ وار گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں ۹۹ آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں[۸۳] فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دُہائیاں
شوکت ہُوَ ہُوَ تھی جنابِ امیرؑ کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینبؑ کے شیر کی

کس حسن سے حسنؑ کا جوانِ حسیں لڑا ۱۰۰ گھر گھر کے صورتِ اسدِ خشم گیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ ۱۰۱ روحُ الامیںؑ پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعد روسیاہ کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
چھٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں میں تیر کے

بے سر ہوئے موکّلِ سرچشمۂ فرات ۱۰۲ ہل چل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے (د) فوت ہوئے کتنے بدصفات گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ نبات

عبّاسؑ بھر کے مشک کو یاں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہر[۸۶] واں میں امیرِ عرب لڑے

آفت بھی حرب و ضرب علی اکبرؑ دلیر ۱۰۳ غصّے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سر بلند پست، زبردست سب تھے زیر جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر

سر اُن کے اُترے تن سے جو تھے رن[۸۷] چڑھے ہوئے
عبّاسؑ سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

تلواریں برسیں، صبح سے نصف[۸۸] النہار تک ۱۰۴ ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک نعرے نہ پھر وہ تھے، نہ وہ تیغوں کی تھی چمک

ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

لاشے بہنوں کے سبطِ نبیؐ خود اٹھا کے لائے ۱۰۵ قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے

اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام ۱۰۶ ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبیؐ کی قبا تمام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام

اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرّا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ ۱۰۷ اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا دہ باغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے ہے فراغ (ض) جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ

پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبرؑ کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمہ کے در پر شہ زمن ۱۰۸ پر شدّتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن

پھر ایک بار اِس مہ انور کو دیکھ لیں
اکبرؑ کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑے (ظ) آلِ پیمبرؐ برہنہ سر ۱۰۹ اصغرؑ کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر مُنھ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیم بر

غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہ آسماں سریر ۱۱۰ تھا اس طرف کمیں[۸۹] میں بنِ کاہل شریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر

تڑپا جو شیر خوار، تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیر خوار ۱۱۱ چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار اے[۹۱] خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار

دامن میں رکھ اُسے جو محبّت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہؑ کی امانت علیؑ کی ہے

یہ کہہ (غ) کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حُسام ۱۱۲ آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کیے تھے بصد عزّ و احتشام پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انام[۹۲]

حمزہؓ کی ڈھال تیغِ شہ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار ۱۱۳ جرّار بردبار سبک رو وفا شعار
کیا خوشنما تھا زیں طلا کار و نقرہ کار اکسیر تھا، قدم کا جسے مل گیا غبار

خوش خو تھا خانہ زاد تھا دُلدل نژاد[۹۳] تھا
شبدیز بھی سنی تھے فرس بھی جواد[۹۴] تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں ۱۱۴ ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لُوں کہ الحذر، وہ حرارت کہ الاماں رن کی زمیں تو سُرخ تھی، اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لوں وہ آفتاب کی حدّت وہ تاب و تب ۱۱۵ کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہُوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چار پائے نہ اُٹھتے تھے تا بہ شام ۱۱۶ مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو[۹۶] جو کالے تھے، تو چیتے سیاہ فام پتھر پگھل کے رہ گئے تھے، مثلِ مومِ خام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزہ گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

(الف-۱)
کوسوں کسی شجر میں نہ گُل تھے نہ برگ و بار ۱۱۷ ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار[۹۸]
ہنستا تھا کوئی گُل نہ مہکتا تھا سبزہ زار کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

آبِ رواں سے منھ نہ اُٹھاتے تھے جانور ۱۱۸ جنگل میں چھپتے پھرتے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر خمخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے ۱۱۹ آہو نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ[۹۹] مہر کا تھا مکدّر غبار سے گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب[100] پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں ۱۲۰ انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں تہ پر تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جاں

پانی تھا آگ گرمیٔ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ[101] فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب ۱۲۱ چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر[102] میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ[103] زمہریر میں

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہ امم[104] ۱۲۲ نے دامنِ رسولؐ تھا نے سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم

بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار ۱۲۳ آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آبِ نہر، پرند آکے بے شمار سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار

پانی کا دام و دد[105] کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہؑ کے لیے قحطِ آب تھا

سر پر لگائے تھا پرِ سعد چترِ زر ۱۲۴ خادم کئی تھے مروحہ[106] جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش[107] مکرّر زمیں کو تر فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر

وہ دھوپ دشت کی، وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب ۱۲۵ بیعت جو کیجے اب بھی، تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب دریا کو خاک جانتا ہے (ب-۱) ابنِ بوتراب

فاسق ہے، پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ (ج-۱) تو مرے کام کا نہیں